شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

مولانا محمد اسمعیل بن مولانا محمد صادق کھڈہ کراچی

آپ کا نام محمد بن علی بن محمد بن احمد الحاتمی تھا۔ کنیت ابو عبداللہ اور لقب محی الدین تھا اور ابن عربی کے نام سے اہل مشرق کے یہاں مشہور ہیں ۔ یہ عدی بن حاتم کے بھائی عبداللہ بن حاتم کی اولاد سے ہیں۔ ان کی ولادت مشہور روایت کے مطابق پیر کے دن ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس کا شہر ہے) میں ہوئی ۔

۵۶۸ھ (۱۱۷۳ء) میں ان کے والد مرسیہ سے اشبیلیہ منتقل ہو گئے ۔ جو اس زمانے میں اندلس میں اسلامی علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا۔ یہیں ان کی نشوونما ہوئی۔ جیسے ہی ہوش سنبھالا ان کے والد نے انہیں ابو بکر بن خلف (جو اس زمانہ کے بڑے فقیہ تھے) کی خدمت میں بھیجا، جہاں انہوں نے قرآن کریم مع قرأۃ سبعہ پڑھا۔ جب ان کی عمر دس سال کی ہوئی تو ان کے والد نے انہیں محدثین اور فقہا کے سپرد کر دیا ان کے ابتدائی اساتذہ میں ابن زرقون، الحافظ ابن الجد، ابو الولید الحضرمی، الشیخ ابو الحسن بن نصر خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے مرسیہ میں ابن بشکوال سے بھی اکتساب کیا تھا۔ ۵۹۰ھ (۱۱۹۴ء) میں پہلی مرتبہ انہوں نے اندلس سے مغرب کی طرف سفر کیا۔ وہ تونس آئے ۔ آپ دراصل وہاں کے بادشاہ کی دعوت پر تشریف لے گئے تھے تونس میں انہیں ایک بڑا عہدہ تفویض کیا گیا لیکن اس کی وجہ سے ان کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے۔ چنانچہ یہ انہیں راس نہ آیا اور حاسدین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بادشاہ اور اس کے درباریوں سے ان کی اَن بن ہو گئی ۔ اس لئے وہ وہاں سے پھر واپس اشبیلیہ چلے گئے۔ اس کے چند سال بعد پھر ایک بزرگ شیخ ابو عبداللہ بن المرابط کی وجہ سے مغرب کے بادشاہ نے انہیں دوبارہ دعوت دے کر بلایا۔ چنانچہ یہ دوبارہ ۵۹۸ھ (۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ء) میں مغرب روانہ ہوئے۔ یہ ان کا دوسرا سفر تھا (اس کے بعد کبھی اپنے وطن کو نہیں لوٹے۔) لیکن چند ماہ کے بعد پھر وہی صورت پیدا ہو گئی، جو پہلے تھی۔ اس لئے وہ عازم بیت اللہ ہوئے۔ ابن عربی جب مصر پہنچے،

اس وقت ان کی عمر ۳۰ سال تھی۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کی شہرت وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہاں کے علماء ان کے ساتھ بہت سختی سے پیش آئے اور ان کے ساتھ خوب مناظرے ہوئے۔ لیکن وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے شکست کی شرمندگی کی وجہ سے انہوں نے ابن عربی کی شکایت حاکم مصر سے کی۔ ان پر کافی الزام تراشی کی۔ اور مطالبہ کیا کہ انہیں موت کی سزا دی جائے۔ لیکن ان کی خوش قسمتی سے ایک بڑے بزرگ شیخ ابوالحسن البجائی نے ان کی حاکم مصر کے پاس سفارش کی اور اس کے ساتھ ان کی ملاقات بھی کرائی۔ اس ملاقات سے حاکم بہت متاثر ہوا۔ اور ان سے وہاں قیام کی درخواست کی اور عہدے پیش کئے۔ لیکن ابن عربی نے انکار کر دیا اور حج پر جانے کی اجازت چاہی۔

مجدالدین فیروزآبادی لکھتے ہیں کہ جب ابن عربی مکہ مشرفہ پہنچے۔ اس وقت مکہ میں بڑے بڑے علماء محدثین اور اصحاب فتاویٰ حضرات موجود تھے۔ لیکن جب شیخ اکبر وہاں پہنچے تو گویا وہ ان کے درمیان مثل چاند کے ہو گئے۔ جس علم پر بھی گفتگو کرتے تھے، اس میں انہیں سند مانا جاتا تھا۔ علماء ان کی مجلس میں شرکت کے متمنی رہا کرتے۔ اور ان کی مجلس میں حاضری کو تبرک سمجھتے وہ ان کی تصانیف بھی ان کے پاس پڑھتے تھے۔ آپ کئی سال بیت اللہ میں قیام پذیر رہے۔ اور وہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

۶۰۸ھ (۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ء) میں بغداد تشریف لے گئے ابن المدینی کہتے ہیں کہ وہاں فضل و معرفت میں ان کی مثال دی جاتی تھی۔ تین سال بعد (۶۱۱ھ) میں دوبارہ مکہ تشریف لے گئے۔ جہاں چند ماہ قیام کرنے کے بعد اگلے سال کے شروع میں حلب چلے گئے۔ وہاں سے موصل اور ایشیائے کوچک گئے جہاں ان کے اثناء قیام میں نصرانی حاکم نے انہیں ایک مکان پیش کیا جسے انہوں نے اس لئے قبول فرمایا کہ ایک سائل کو دے دیں گے۔ وہ جہاں بھی گئے ان کی علمی شہرت ان کے پہنچنے سے پہلے وہاں پہنچ جاتی اس طویل سفر کے دوران انہوں نے بے شمار اساتذہ سے علمی استفادہ کیا جس میں حافظ السلفی، ابن عساکر اور ابوالفرج ابن الجوزی جیسے جلیل القدر علماء بھی شامل ہیں۔ اپنی آخر عمر میں دمشق آ کر رہے، جہاں جمعرات ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ (اکتوبر ۱۲۴۰ء) کو ان کی وفات ہوئی۔ اور جبل قاسیون کے پاس انہیں دفن کیا گیا۔ وہیں ان کے دونوں صاحبزادوں سعدالدین (المتوفی ۶۵۶ھ) اور عمادالدین (المتوفی ۶۶۷ھ) کی قبریں بھی ہیں۔

ابن عربی کے مذہب کا خلاصہ جس کے اردگرد ان کا تمام فلسفہ گھومتا ہے یہ ہے:۔ وہ خود کہتے ہیں کہ حقیقت وجودی اپنے جوہر اور ذات کے لحاظ سے ایک ہے اور اپنی صفات اور اسماء کے لحاظ سے کثیر ہے۔ اور اس میں اعتبارات، نسبتوں اور اضافات کے لحاظ کے سوا اور کوئی تعدد نہیں۔ یہ قدیم اور ازلی

وابدی ہے۔ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان وجودی صورتوں میں تغیر ہوتا ہے جن میں یہ ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ وجود کا وہ بحر ذخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس وجود کا ادراک اور احساس ہوتا ہے، وہ صرف اس سمندر کی موجیں ہیں، جو اس کی سطح پر ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اگر آپ اس کی طرف بحیثیت اس کی ذات کے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہی حق ہے اور اگر اس کی صفتوں اور اسماء کی حیثیت سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ یہی خلق ہے یا عالم ہے۔ تو یہی حق ہے اور یہی خلق ہے اور یہی واحد ہے اور کثیر ہے۔ یہی قدیم اور حادث ہے وغیرہ وغیرہ یہی وہ مذہب ہے جو وحدۃ الوجود کے نام سے مشہور ہے جسے ابن عربی نے نہایت جرأت اور صراحت کے ساتھ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں ذکر کیا ہے۔

ابن عربی نے اپنے مذہبِ وحدت الوجود کو بیان کرنے میں بڑے ابہام سے کام لیا ہے، چنانچہ کہیں کہیں اگر اس سے اتحاد و حلول کا عقیدہ مترشح ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ رب اور عبد کی کلی مغائرت بھی موجود ہے۔ ابن عربی کی نثر اور شاعری بڑی ذو معنی ہے، اور اس سے ایک سے زیادہ مفہوم نکل سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کا ایک شعر ہے۔

یا من یرانی ولا اراہ
کم ذا اراہ ولا یرانی

اے وہ جو مجھ کو دیکھتا ہے اور میں اس کو نہیں دیکھتا۔ کتنی مرتبہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور وہ مجھ کو نہیں دیکھتا۔

اس پر جب گرفت کی گئی تو ابن عربی نے اس شعر کی یوں تضمین کر دی۔

یا من یرانی مجرماً ولا اراہ اخذاً
کم ذا اراہ منعماً ولا یرانی لائذاً

اے وہ جو مجھے گنہگار دیکھتا ہے اور میں اسے مواخذہ کرنے والا نہیں دیکھتا۔ کتنی مرتبہ میں اس کو احسان کرنے والا دیکھتا ہوں اور وہ مجھ کو پناہ لینے والا نہیں دیکھتا۔

ابن عربی نے اپنے وحدت الوجود کے عقیدے کو اپنی کتابوں میں مختلف جگہوں میں مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے، اسی سے ان کے بارے میں اتنا اختلاف ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں۔

الرب حقٌ والعبد حقٌ — یا لیت شعری من المکلف
ان قلت عبدٌ فذاک ربٌ — او قلت ربٌ انی یکلف

رب بھی حق ہے اور بندہ بھی حق ہے۔ کاش میں جانتا کہ ان میں سے مکلف کون ہے۔ اگر تم کہو

کہ وہ بندہ ہے، تو وہ کبھی رب ہے۔ اور اگر کہو رب ہے، تو وہ مکلف کیوں کر ہوا۔
لیکن ایک دوسری کہتے ہیں۔

العبد عبدٌ وان ترقی ۔۔۔ والرب ربٌ وان تنزل

بندہ بندہ ہے اگرچہ وہ ترقی ہی کیوں نہ کرے۔ اور رب رب ہے، اگرچہ وہ نیچے کیوں نہ اترے
اس ضمن میں ان کے چند شعر ہیں۔

فلولاہ لما کنّا ۔۔۔ ولولا نحن ما کانا
فان قلنا بانّا ھو ۔۔۔ یکون الحق ایّانا
فابدانا واخفاہ ۔۔۔ وابدا ہ واخفانا
فکان الحق اکوانا ۔۔۔ وکنّا نحن اعیانا
فیظہرنا لنظہرہ ۔۔۔ سراراً ثم اعلانا

پس اگر وہ نہ ہوتا، تو ہم نہ ہوتے۔ اور اگر ہم نہ ہوتے وہ نہ ہوتا۔ اگر ہم کہیں کہ ہم وہ ہیں تو ہم ہی سے حق مراد ہے۔ پس اس نے ہم کو ظاہر کیا اور اپنے آپ کو چھپالیا۔ اور اپنے آپ کو ظاھر کیا اور ہمیں چھپا لیا۔ پس حق اکوان ہوگیا اور ہم اعیان ہوگئے۔ پس وہ ہم کو ظاہر کرتا ہے تاکہ ہم اس کو ظاھر کریں، پہلے سراً بعد میں برملا۔

ابن عربی کے نزدیک عارف وہ ہے جو ہر چیز میں حق دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ حق ہی کو ہر چیز کا عین دیکھتا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں "فعین مسمّی العبد ھوالحق لا عین العبد" (پس بندے کا عین مسمّی وہی حق ہے۔ وہ بندے کا عین نہیں ہے)

اپنی کتاب فصوص الحکم میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:- مومنین اور اہل کشف و وجود کے نزدیک خلق "معقول" اور حق محسوس ہے، یعنی وہ خلق کو عقلی طور پر جانتے ہیں اور حق کا حسی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ان دونوں صنفوں کے علاوہ جو دوسرے لوگ ہیں، ان کے نزدیک حق "معقول" اور خلق "مشہود" ہے، یعنی وہ حق کو عقلی طور پر جانتے ہیں اور مخلوق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ جو حق کو عقلی طور پر جانتے اور مخلوق کا مشاہدہ کرتے ہیں، کھارے بدمزے پانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور پہلی جماعت کے لوگ جن کے نزدیک خلق "معقول" اور حق "محسوس" ہے بہت میٹھے پانی کی طرح ہیں، پینے والے کے لئے خوشگوار ہے۔

بعد ازیں وہ اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:- "انہ عین الاشیاء" بے شک وہ واللہ تعالیٰ،

اشیاء کا عین ہے۔ ابن عربی نے اپنے مطالب کے بیان میں ہر جگہ مبہم اشعار اور فقروں سے کام لیا ہے شاید انہیں اس کا ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں علمائے ظاہر ان کے ساتھ حلاج کا سا سلوک نہ کریں۔ چنانچہ ایک جگہ خود ہی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یارب جوھر علم لو ابوح بہ — لقیل لی انت ممن یعبد الوثنا
ولاستحل رجال مسلمون دمی — یرون اقبح ما یاتونہ حسنا

علم کے بہت سے جواہر ریزے ایسے ہیں، جن کو اگر ظاہر کردوں تو لوگ کہیں گے کہ تم بت پرست ہو اور وہ مسلمان لوگ جو اپنے بڑے سے بڑے کرتوتوں کو بھی اچھا سمجھتے ہیں، میرا خون حلال کردیتے"[1]

ابن عربی سے پہلے مذہب وحدت الوجود اس کامل صورت میں موجود نہ تھا۔ ابن عربی پہلے شخص ہیں جنہوں نے حقیقتاً اس کو اس کامل صورت میں پیش کیا۔ آگے چل کر اس مذہب کے قائلین نے اس سے استفادہ کیا ہے ابن عربی کے اس مذہب نے ان کے بارے میں علماء کی آراء میں بڑا اختلاف پیدا کردیا۔ ان کے مخالفین اور موافقین کے تین گروہ بن گئے۔ ایک وہ جو کہتے ہیں کہ یہ امام الاولیاء اور قطب تھے۔ ان کے تمام علوم بالکل صحیح تھے اور وہ ان میں حق پر تھے۔

اس گروہ میں مجد الدین فیروزآبادی۔ سراج الدین المخزومی۔ کمال الدین الزملکانی۔ صلاح الدین الصفدی۔ فخر الدین الرازی۔ عبدالوہاب الشعرانی۔ اور احمد المقری صاحب نفح الطیب وغیرہم شامل ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی" اپنی کتاب "ابن عربی" میں "الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر" مصنفہ امام عارف عبدالوہاب شعرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :- شیخ مجد الدین فیروزآبادی صاحب قاموس کہتے تھے۔ ہم کو قوم میں سے کسی کے متعلق یہ روایت نہیں پہنچی کہ کوئی شخص کبھی علم شریعت و حقیقت میں اس درجہ کو پہنچا ہو، جس درجہ کو شیخ محی الدین پہنچے ہیں۔ اور وہ شیخ کے غایت درجے کے معتقد تھے اور جو شخص شیخ پر نکیر کرتا تھا، وہ اس پر نکیر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیشہ سے لوگ شیخ کے ساتھ عقیدت رکھنے پران کے مؤلفات کو آب زر سے لکھنے پر غایت درجہ متوجہ رہے، ان کی حیات میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی۔ اور اس سلسلے میں یہ بھی کہا کہ جس امر کا میں قائل ہوں اور اس کو محقق سمجھتا ہوں اور اس کے موافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی شیخ طریقت تھے حالاً بھی اور علماً بھی۔ اور امام اہل تحقیق تھے حقیقتاً بھی اور ظاہراً بھی اور علوم عارفین کے احیا کرنے والے

---

[1] امام ابن تیمیہ اور مولانا محمد یوسف کوکنی عمری۔ وحدت الوجود کی یہ بحث اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

تھے فعلاً بھی اور لفظاً بھی اسی طرح کا بہت طویل مضمون فرمایا اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ پر صرف بعض ایسے فقہائے خشک نے نکیر کیا ہے، جن کو محققین کے مشرب سے کچھ بہرہ نہ تھا۔ باقی جمہور علماء اور صوفیہ نے تو اس کا اقرار کیا ہے کہ وہ اہل تحقیق و توحید کے امام ہیں اور علوم ظاہرہ میں یکتا و یگانہ ہیں۔

امام شعرانی نے اپنی کتاب میں ابن عربی کے حق میں بعض دوسرے بزرگوں کے بھی اقوال نقل کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :- شیخ سراج الدین مخزومی جو شام میں شیخ الاسلام تھے فرماتے تھے کہ اپنے کو شیخ محی الدین کے کلام پر معاندانہ تنقید کرنے سے بچانا۔ کیونکہ اولیاء کے گوشت زہرآلود ہیں اور ان سے بغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہوجانا ایک مسلّم بات ہے۔ اور منجملہ شیخ کے ثنا خوانوں کے کمال الدین زملکانی بھی ہیں، اور یہ اجل علمائے شام سے تھے۔ اور اسی طرح شیخ قطب الدین حموی تھے۔ جب یہ شام سے اپنے وطن کو آئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کس حال میں پایا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ان کو علم میں، زہد میں اور معارف میں ایک دریائے زخار ناپیدا کنار پایا۔

شیخ صلاح الدین صفدی بھی ان کے ثنا خوانوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنی کتاب تاریخ علمائے مصر میں ان کی ثنا کی ہے۔ اور کہا ہے کہ جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے، وہ شیخ محی الدین کی کتابوں کو دیکھا کرے۔ شیخ قطب الدین شیرازی کہا کرتے تھے۔ شیخ محی الدین علوم شریعت و حقیقت میں کامل تھے اور ان کی شان میں وہی شخص جرح قدح کرتا ہے، جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ شیخ مؤید الدین جندی، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ فخر الدین رازی اور کثیر التعداد دوسرے علماء نے بھی شیخ محی الدین کے مقام کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ شیخ محی الدین ولی عظیم تھے۔[۱]

امام شعرانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :- ہمارے مشائخ میں سے محمد مغربی شاذلی سے بھی جو کہ جلال سیوطی کے شیخ ہیں، ان (شیخ محی الدین) پر ثنا کی ہے اور اس عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے کہ وہ مربی ہیں اہل عرفان کے جیسے حضرت جنید مربی ہیں اہل ارادت کے۔ شیخ سراج نے کہا کہ شیخ کی کتاب فصوص

---

[۱] یہ سب اقتباسات مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب ابن عربی سے ہیں، جو امام شعرانی کی کتاب سے ماخوذ ہیں،

اِشرح ایک بڑی جماعت نے کی ہے، جن میں مشاہیر شافعیہ بھی ہیں اور دوسرے لوگ بھی ہیں۔ نیز شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام فرماتے تھے کہ بعض علماء سے جو شیخ پر نکیر واقع ہوا ہے، وہ صرف ایسے ضعفاً فقہا کی رعایت سے ہوا ہے، جن کو فقراء کے احوال سے بہرہ وافر نہ تھا۔ صرف اس احتمال سے کہ شیخ کے کلام سے کوئی ایسی بات نہ سمجھ لیں، جو شرع کے موافق نہ ہو اور گمراہ ہو جائیں۔۔۔۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ بعض منکرین نے جو شیخ عزالدین اور شیخ سراج الدین بلقینی سے شائع کیا ہے کہ ان دونوں حضرات نے شیخ کی کتابیں جلانے کا حکم دیا تھا، یہ محض جھوٹ اور گھڑت ہے[1]

دوسرا گروہ وہ ہے جنہوں نے ابن عربی پر تکفیر و تبدیع کی حد تک تنقید کی ہے۔ ان میں رضی الدین بن الخیاط۔ حافظ الذہبی۔ امام ابن تیمیہ۔ ابن ایاس۔ التفتازانی۔ ملا علی قاری۔ جمال الدین محمد بن نورالدین۔ حافظ ابن حجر۔ ابوحیان۔ اور امام سخاوی وغیرہم شامل ہیں۔ ان سب میں ابن تیمیہ اور رضی الدین ابن الخیاط پیش پیش ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم پر رد بھی لکھا ہے۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ عرصہ ہوا مجھے ابن عربی سے بہت حسن ظن تھا اور میں ان کی عزت کرتا تھا کیونکہ فتوحات مکیہ وغیرہ ان کی کتابیں بڑے عمدہ فوائد پر مشتمل ہیں۔ مگر میں نے اس وقت تک ابھی فصوص الحکم نہیں دیکھی تھی۔ فصوص دیکھنے کے بعد مجھ پر ان کی اصل حقیقت منکشف ہوئی۔

امام ابن تیمیہ نے عقلاً و نقلاً ہر دو لحاظ سے ابن عربی اور ان کے ہم خیال صوفیہ کی تردید کی اور بقول ان کے "اور اگر اس قول کے ماننے والے اتنے زیادہ نہ ہوتے اور بڑھ کر پھیل نہیں جاتے اور وہ اکثر لوگوں کے نزدیک سادات انام، مشائخ اسلام اور اہل توحید و تحقیق اور اہل طریق میں سب سے افضل گنے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ان کو انبیاء و مرسلین اور اکابر مشائخ دین پر فضیلت دیتے ہیں تو ہم کو ان کے احوال کے فساد کے بیان کرنے اور ان کی گمراہی کی وضاحت کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی۔۔۔۔"[2]

مصر کے ایک مشہور صوفی کے نام ایک طویل خط میں امام ابن تیمیہ نے شیخ ابن عربی کے بعض مخصوص عقائد کا ذکر کیا، جن میں ان کا عقیدہ وحدت الوجود بھی شامل ہے جسے وہ خالق و مخلوق کا "اتحاد" کہتے ہیں، اور اس کے ماننے والوں کو "اتحادی" کا نام دیتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ اس خط میں لکھتے ہیں :۔ "ان اتحادیوں کا کہنا ہے کہ تمام ذوات کُل کی کُل عدم میں ثابت ہیں اور وہ ازلی اور ابدی ہیں۔ یہ لوگ حیوانات و نباتات و معدنیات بلکہ حرکات و سکنات کی ذوات تک کو ازلی و ابدی اور انہیں عدم میں ثابت مانتے

---

[1] ابن عربی از مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

[2] امام ابن تیمیہ از مولانا محمد یوسف کوکن عمری

ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا وجود ان پر فائض ہے، اسی لئے ان ذوات کا وجود گویا حق کا وجود ہے اس کے باوجود ان کی ذوات حق کی ذات نہیں ہوتیں، اس طرح وہ وجود اور ثبوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔[1]

یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں بیان کرنے کے بعد امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

" یہ تمام مذکورہ بالا نظریے صاحب فصوص الحکم ہی کے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس عقیدے پر اس شخص کی موت ہوئی ہے، خدا ہم سب زندوں اور مُردوں کی مغفرت کرے"۔

نیز فرماتے ہیں :- "صاحب فصوص الحکم کا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کتاب عنایت کی ہے، مگر اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو انبیاء و مرسلین اور اولیاء و صالحین تو کیا یہود و نصاریٰ اور صابی لوگ بھی ان کے قائل نہیں ہو سکتے، بت پرست مشرکین اور کافر اہل کتاب بھی ایک صانع کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خالق مخلوقات کا عین ہے"۔[2]

یہ عقیدہ کہ معدوم عدم میں ایک ثابت شئے ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں، چار سو سال سے چلا آتا ہے۔ اور ابن عربی نے اس کی موافقت کی ہے، دوسرے یہ کہ حادث و محدث مخلوقات کا وجود عین خالق کا وجود ہے، نہ تو وہ خالق کے غیر ہیں اور نہ ہی اس کے سوا کچھ اور ہیں۔ اس اصل کو سب سے پہلے ابن عربی ہی نے پیش کیا وہ اس معاملے میں منفرد ہیں۔ ان سے پہلے کسی شخص اور عالم نے یہ نظریہ پیش نہیں کیا۔ آج کل کے تمام اتحادی اسی نظریے کی پیروی کر رہے ہیں[3] اس کے ساتھ ساتھ امام ابن تیمیہ اس امر کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔

" لیکن ان سب میں ابن عربی اسلام سے قریب تر ہیں۔ اکثر جگہوں پر ان کا کلام بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر اور مظاہر کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اور اوامر و نواہی اور امور شریعت کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہیں۔ اور مشائخ امت نے جن اخلاق و عبادات کی تعلیم دی ہے، ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

---

[1] امام ابن تیمیہ از مولانا محمد یوسف کوکن عمری
[2] " " " " "
[3] " " " " "

اسی لئے وہ عابد و زاہد لوگ جو ان کے کلام کو اپنا رہنما اور رہبر بناتے ہیں اپنے سلوک کی منزلوں کے طے کرنے میں ان کے کلام سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

لیکن امام موصوف کا کہنا ہے۔

"یہ لوگ ابن عربی کے پیش کردہ حقائق کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اور جو لوگ سمجھ سکتے ہیں، ان پر ان کے خیالات و نظریات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔"

تیسرا گروہ وہ ہے جو کہتے ہیں کہ ان کی ولایت کا اعتقاد رکھنا چاہیئے لیکن ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہیں۔ ان میں جلال الدین سیوطی اور الحصکفی شامل ہیں۔ سیوطی نے اپنی کتاب (تنبیہ الغبی بتبرئۃ ابن عربی) میں اس کی تصریح کی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ جب میں نے ۱۳۲۸ھ میں شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم کی شرح لکھنی شروع کی، تو بعض مقامات پر مجھے بڑا توحش اور انقباض ہوتا تھا۔ چنانچہ مجبوراً میں نے یہ شرح لکھنی چھوڑ دی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کو دوسرے ائمہ طریق کی طرح ان کا معتقد پایا، اس لئے ان کی عقیدت و عظمت ہمیشہ قلب میں مرکوز رہی اور فطرتاً بھی جماعت صوفیہ کی طرف قلب کو ہمیشہ میلان و رجحان رہا ہے، اس کے بعد مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ شرعی نقطۂ نظر سے بھی یہی مناسب ہوتا ہے کہ جہاں حسن ظن کا احتمال ہو وہاں سوء ظن سے کام نہ لیا جائے۔

مولانا تھانویؒ نے کوئی سات سال تک پھر اس کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں "ایام حاضرہ میں قلب پر دفعتہً وارد ہوا کہ شیخ ممدوح الصدر (ابن عربی) کے کلام کی شرح جس غرض سے کی جاتی تھی کہ لوگ نہ خود ضلالت میں واقع ہوں نہ شیخ کی تضلیل کریں، یہ غرض گو تفصیلاً اس شرح ہی سے حاصل ہوتی جو کہ مکمل نہیں ہوئی، مگر اجمالاً ایک دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے" اور وہ طریق یہ ہے کہ شیخ کے وہ اقوال جو سوء ظن کا باعث بنتے ہیں، ان کے مقابلے میں ان کے وہ اقوال جمع کئے جائیں۔ جن سے یہ سوء ظن رفع ہوتا ہے۔ اور چونکہ قائل واحد کے کلام میں تعارض نہیں ہوتا، اس لئے ان دونوں نوع کے اقوال میں تطابق ہو، اور اس طرح شیخ ہی کے کلام سے شیخ کی برأت کی جائے۔ یعنی "ظاہر الصواب کو اصل اور ظاہر الخطا کو اس کے تابع قرار دیا جائے۔" اور بقول مولانا مرحوم کے

یہ جمع فریقین کو نافع اور حقیقت شریعت کی حفاظت اور حقوق اولیاء کی حفاظت کا جامع ہو گا۔

راقم الحروف کا جن بزرگوں سے انتساب ہے، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے معاملے میں ان کا یہی مسلک رہا ہے، اور وہ ان کے مکاشفات کے بارے میں سوءِ ظن کے بجائے ہمیشہ حسن ظن ہی سے کام لیتے رہے ہیں۔

مختصراً جیسا کہ مولانا اشرف علی فرماتے ہیں۔

> شیخ ابن عربی رحمتہ اللہ علیہ منجملہ صوفیہ امت کے اپنے زمانے سے اس وقت تک خصوصیت کے ساتھ ایک معرکۃ الاراء مسئلہ مختلف فیہا رہے ہیں۔ اور منشا اس اختلاف کا بعض اقوال ہیں، جو ان کی طرف منسوب ہیں جن کا ظاہر شریعت کے خلاف ہے۔ بعض نے ان کے تاریخی احوال پر نظر کر کے ان کو اولیاء میں شمار کیا۔ اور ان کے ایسی فضائل و کمالات و دیگر علوم و مقالات کو دیکھ کر ان اقوال موہمہ میں سے بعض کا بندت کا انکار کیا۔ اور بعض میں ان کی اصطلاحات پر نظر کر کے تاویل کی۔ اور بعض میں ثابت کر دیا کہ وہ شریعت میں مسکوت عنہا ہیں، مخالف نہیں اور یہ سب اقوال علوم مکاشفہ کے ابواب سے ہیں۔ باقی علوم معاملہ میں ان سے ایک قول بھی ایسا نقل نہیں کیا گیا۔"

ابن عربی کے علم و فضل اور ان کی ولایت پر بڑے بڑے علماء کے اقوال موجود ہیں۔ طاش کبری زادہ مفتاح السعادۃ میں لکھتے ہیں کہ وہ عالم ربانی اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ شہاب الدین السہروردی سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ بحر حقائق ہیں۔

شیخ احمد المقری۔ زہر الریاض فی اخبار عیاض میں تحریر فرماتے ہیں کہ ابن حجر اور ابوحیان نے جو اس صدیق پر اطلاق لسان کیا ہے وہ شیطان کا فریب ہے اور جس طرح وہ اسے سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں اور صحیح یہ ہے کہ امام ابن عربی بلاشبہ ایک صالح ولی اور ناصح عالم تھے۔

ابن عربی کی تالیفات بہت ہیں۔ الشعرانی نے الیواقیت والجواہر میں نقل کیا ہے کہ ان کی تالیفات چار سو سے کچھ زائد تھیں۔ جرجی زیدان آداب اللغۃ میں لکھتا ہے کہ ان کی تالیفات دو سو تک پہنچ گئی تھیں۔ جن میں سے بروکلمان نے ۱۵۰ کتابوں کے نام اور ان جگہوں کا ذکر کیا ہے جہاں یہ موجود ہیں۔ عبدالرحمن جامی کہتے ہیں کہ انہوں نے پانچ سو کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔ ان میں سے اکثر تصوف میں ہیں۔ معجم المطبوعات میں ان ۲۸ کتابوں کا تذکرہ ہے جو چھپ چکی ہیں۔ جن میں سے پانچ

کتابوں کے بارے میں اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ ان کی طرف غلطی سے منسوب ہیں۔ ذیل میں ہم ان کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ الاغلاق۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو مصر میں چھپا ہے اس کے صفحات ۷۰ ہیں۔

۲۔ تفسیر ابن عربی۔ یہ بولاق ۱۲۸۳ھ اور مطبع میمنیہ ۱۳۱۷ھ میں چھپ چکی ہے کشف الظنون میں ہے کہ اس تفسیر کا نام تاویلات القرآن ہے اور اس کا مؤلف شیخ کمال الدین الکاشی السمرقندی ہے۔

۳۔ رد معانی الآیات المتشابہات الی معانی الآیات المحکمات۔ بیروت میں چھپی ہے۔ کشف الظنون میں ہے کہ رد المتشابہ الی المحکم۔ محمد بن احمد بن اللبان کی تالیف ہے۔

۴۔ قرعۃ الطیور لاستخراج الفال والضمیر۔ طبع حجر مصر ۱۲۸۱ھ ۹۱م۔ صفحات

۵۔ القرعۃ المبارکۃ المیمونۃ والدرۃ الثمینۃ المصونۃ۔ طبع حجر مصر صفحات ۳۲ اور ۱۲۷۹ صفحات ۲۸ اور بمبئی ۱۳۰۰ھ

ان کی تمام کتابوں کا ذکر تو ان محدود صفحات میں نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن چند کتابوں کا جو بہت مشہور ہیں۔ ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ الفتوحات المکیۃ۔ اس کتاب میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ علوم و معارف بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب ۵۹۸ھ اور ۶۳۵ھ کے مابین لکھی گئی ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اس کا زیادہ تر حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر بیت اللہ کے طواف کے دوران کشف ہوا ہے۔ یہ چار اجزاء میں بولاق میں ۱۲۷۴ھ اور ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی ہے اور تیسری مرتبہ مصر میں ۱۳۲۹ھ میں بھی طبع ہوئی ہے۔

۲۔ فصوص الحکم فی خصوص الکلم۔ بلا مبالغہ یہ کتاب ان کی تمام کتابوں میں سب سے اہم ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے مذہب وحدت الوجود کو مکمل صورت میں پیش کیا ہے۔ یہ ۲۷ فصل پر مشتمل ہے اور ۶۲۷ھ میں دمشق میں لکھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ حضورؐ نے مجھے خواب میں لکھایا تھا بلا کمی و بیشی کے اور میری حیثیت فقط ایک مترجم کی ہے۔ اس کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں۔ اور یہ کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے آستانہ میں ۱۲۵۲ھ میں بالی زادہ کی شرح کے ساتھ طبع ہوئی۔ اور عبدالغنی نابلسی اور مولانا عبدالرحمان جامی کی شرحوں کے ساتھ مطبعۃ الترقی میں ۱۳۰۴ھ اور مطبعۃ الشرفیہ میں ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوئی۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر ابوالعلاء عفیفی

کی تعلیقات کے ساتھ قاہرہ میں ۱۳۶۵ھ میں چھپی ہے۔

۳۔ مفاتیح الغیب۔ مصر میں چھپی ہے۔

۴۔ الاصطلاحات الصوفیۃ۔ لیڈن اور دارالکتب المصریۃ میں موجود ہے۔ تعریفات السید الجرجانی کی ذیل میں طبع ہوئی ہے۔

۵۔ محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار۔ یہ ادب اور تاریخ میں ہے طبع حجر مصر ۱۲۸۲ صفحات ۳۷۶ اور طبع حروف جزء ۲ مطبعۃ عثمانیہ ۱۳۰۵ھ اور ۱۹۰۶ء مطبعۃ السعادۃ جزء ۲۔ ۲۵-۱۳۲۴ھ

۶۔ دیوان۔ طبع مصر ۱۲۷۱ صفحات ۴۸۷ اور طبع حجر ہندوستان صفحات ۴۴۲

حوالہ جات کے لئے دیکھئے۔ (۱) فوات الوفیات۔ ج ۲۔ (۲) نفح الطیب ج ۲۔ (۳) لسان المیزان ج ۵ (۴) مفتاح السعادۃ ج ۱۔ (۵) دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج ۱۔ (۶) شذرات الذہب ج ۵ (۷) تاریخ آداب اللغۃ جرجی زیدان ج ۳ (۸) معجم المطبوعات ص ۱۷۶/۱۷۷ (۹) مجموعۃ الرسائل والمسائل لابن تیمیہ۔(۱۰) الیواقیت والجواہر للشعرانی (۱۱) فصوص الحکم الدکتور عفیفی۔ (۱۲) مقدمۃ لطائف الاسرار مطبعۃ مخیمر وغیرہ وغیرہ

مفسرین نے جو خرافات انبیاء سے منسوب کی ہیں، وہ ان سے بہت دور ہیں۔ کلام الٰہی میں ان کا کہیں پتہ نہیں۔ مفسرین کا یہ وہم ہے کہ جن قصص و حکایات کو وہ تفسیر قرآن میں شامل کرتے ہیں، وہ من جانب اللہ ہیں۔ حق سبحانہ' ہمیں بدگوئی اور بدگمانی سے محفوظ رکھے۔ یہ لوگ اس میں سنت خاطی ہیں مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی طرف شک کی نسبت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم حضرت ابراہیم سے بڑھ کر شک کے مستحق ہیں۔ حضرت ابراہیم نے مردہ کے زندہ کرنے کا شک نہ فرمایا۔ جب ان کو بتلایا گیا کہ مردہ کے زندہ کرنے کی مختلف شکلیں ہیں، تو یہ شکلیں وہ نہ سمجھ سکے۔ ان کی طبیعت میں تلاش حق تھی، آخر حق سبحانہ نے انہیں اشکال میں سے ایک شکل خاص میں مردہ کو زندہ کرکے بتلادیا اور ان کو تسکین ہوگئی اور جان لیا کہ اللہ سبحانہٗ مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔

(فتوحات باب ۳۷۲ ابن عربی از عینی النظامی)